# ابو ریحان البیرونی

## کے اعزاز میں

## صدر تنظیم فرہنگ وارتباطات اسلامی

# کا پیغـــام

تاریخ علم ودانش کے جملہ مورخین اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ ابو ریحان بیرونی (۳۶۲ تا ۴۴۰ ہجری) عقل و دانش کے قطب الاقطاب اور علم وفضیلت کا اہم پشتوانہ رہے ہیں۔ یہ بلا سبب نہیں ہے کہ جارج سارتن اپنی کتاب تاریخ علم میں گیارھویں صدی عیسوی کے نصف دوم کو "دور بیرونی" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ بیرونی کی عظمت وفضیلت اور علمی مقام ومرتبہ کا صحیح اندازہ درحقیقت ان محققین کو ہے جن لوگوں نے ان کی تالیفات پر تحقیقی کام انجام دیا ہے اور ان کی خصوصی صفات کا بھرپور تجزیہ پیش کیا ہے۔ جرمنی کا مشہور ماہر علوم مشرقیات ایڈوارڈ زاخانو کہتا ہے۔ "بیرونی ایسا عظیم ترین مفکر ودانشمند ہے جس کو تاریخ بخوبی پہچانتی ہے۔" اسی طرح مشہور عرب محقق کا بیان ہے کہ "بیرونی وہ پہلا آدمی ہے جس نے انسانی علوم میں تحقیقی راہ وروش کی ایجاد کی ہے اور ان کا بھرپور عقلی اور منطقی اور تنقیدی مطالعہ کیا ہے۔"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بیرونی نے یہ مقام ومرتبہ کیسے حاصل کرلیا کہ مشرق ومغرب کے نامور محققین کی توجہ کا مرکز بن گئے؟ ان کی مہارت کس چیز میں تھی؟ اور ان کی علمی میراث کیا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ ایسے عظیم صاحب عظمت انسانوں کے سلسلے میں یہ فخر ومباہات کا اظہار نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ اہم ان اسباب وعوامل کا عمیق وتنقیدی مطالعہ مقصود ہے جو ایسی عظیم الشان علمی ترقیوں اور ایسے بلند مرتبہ دانشوروں کی تخلیق ونشونما کا باعث قرار پائے۔ لہٰذا ایسے سوالات پیش کرنا اور ان سوالوں کا مناسب جواب حاصل کرنے کے

لئے ہر ممکن کوشش کرنا درحقیقت ہماری موجودہ اور عصری علمی زندگی کی خوشحالی کے لئے بہت ضروری ہے۔

ابوریحان کی جو علمی یادگاریں باقی رہ گئیں ہیں ان کے اجمالی وسرسری مطالعہ سے ہی دنیائے علم ودانش کی اس عظیم شخصیت کی معلومات کی کثرت ووسعت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔ تاریخ اور ساجیاتی علوم جیسے موضوع پر وہ اسی اعتماد ویقین کے ساتھ لکھتے ہیں جس طرح علم ریاضیات علم نجوم اور علم الادویہ کے بارے میں تحریر فرمایا ہے اور بات صرف اسی حد تک محدود نہیں بلکہ زمین شناسی اور علم جغرافیہ پر لکھی گئی ان کی کتابوں میں بھی ان کی گہری نگاہ کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

علم الادویہ اور مرکب ادویہ کی شناخت پر لکھی گئی کتابوں میں البیرونی کی الصیدیہ کو بہترین کتاب کا درجہ حاصل ہے۔ اسی طرح علم نجوم میں التجیم اور علم ہیئت میں التفہیم کو ان موضوعات پر لکھی گئی بہترین کتاب تسلیم کیا گیا ہے۔ علم تاریخ میں آثار الباقیہ اور ہند شناسی میں تحقیق مالہند جیسی گرانقدر کتابیں نہ صرف تاریخ اور علم ساجیات میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہیں بلکہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ شاید ابوریحان البیرونی پہلی بار بڑی کامیابی کے ساتھ اپنی مخصوص علمی تنقیدی راہ وروش کے ذریعہ اسلاف کی تاریخ ، ان کی گرانقدر تصانیف اور ہندوستانی سماج کے مفصل ومستند حالات کا سیر حاصل مطالعہ پیش کیا ہے جو شاید ان کی ریاضیاتی استدلالی اور برہانی فکر کا عطیہ ہے۔

انھوں نے اپنی تاریخ نویسی کو لفظی صنایع وتکلفات اور عبارت پردازی کی قید وبند سے دور رکھا اور اجمالی و استدلالی انداز بیان، تاریخی اطلاعات کا بھرپور جائزہ وتجزیہ اور ادیان واقوام نیز معاشروں کے حالات کا بھرپور مطالعہ نہایت تنقیدی اور دقیق النظری کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے زمانے میں بزرگوں کی یہ گرانقدر علمی میراث خوارزمی، فارسی ،عربی، سنسکرت اور سریانی و یونانی زبانوں میں موجود تھی۔ البیرونی نے غیر معمولی ہمت وحوصلہ کے ساتھ ان

گرانقدر منابع و مآخذ سے براہ راست استفادہ کرتے ہوئے اپنے زمانہ میں رائج مختلف علوم کا نہ صرف بھرپور مطالعہ پیش کیا بلکہ اپنی تنقیدی وتخلیقی فطرت کو بروئے کار لاتے ہوئے ان علوم میں ایجاداتی اضافے بھی کئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے اپنے دور کے دیگر علماء دانشوروں مثلاً ابن سینا، ابو الوفای بوز جانی اور ابو نصر عراقی سے مشورہ اور علمی مباحثہ بھی جاری رکھا۔ انھوں نے ابو الوفا کے ساتھ، جو بغداد میں رہا کرتا تھا، علمی تعاون کا سلسلہ جاری رکھا اور دنیا کے بعض علاقوں کی جغرافیائی لمبائی کی پیائش کے سلسلے میں دونوں دانشوروں کی تحقیق اتنی مکمل اور بھرپور تھی کہ آج بھی علمی اعتبار سے ان کی تحقیق کی تصدیق کی جاتی ہے اور ان کے تحقیقی نتائج کی علمی صحت پوری طرح محفوظ ہے۔ دوسری طرف ابن سینا کے ساتھ خط وکتابت کے دوران البیرونی انھیں ریاضیاتی مباحث میں ان کی غلطیوں کی طرف متوجہ کردیتے تھے۔

ہم نہ صرف ایک عظیم ایرانی مسلمان دانشمند کی حیثیت سے ابو ریحان البیرونی پر فخر کا احساس کرتے ہیں بلکہ ہمارا عقیدہ وایمان ہے ابو ریحان البیرونی نے علمی تحقیقات کے سلسلے میں جس راہ وروش کی ایجاد کی تھی اسے آج بھی جاری رکھنا چاہئے۔ ابو ریحان البیرونی کی روش درحقیقت مختلف النوع علوم کے مطالعہ، علوم کے درمیان تقابل اور کبھی کبھی کسی ایک علمی شعبہ کی کارآمد روش کو دوسرے علمی شعبہ میں استعمال کرنے پر مبنی ہے۔ دوسری طرف ان کی نظر میں اپنے دور کی مختلف زبانوں سے واقفیت کی بڑی اہمیت رہی ہے جس کو عصر حاضر کے محققین کے لئے نمونہ عمل قرار دیا جاسکتا ہے۔ آخر کار اپنے دور کے ہم رتبہ علماء وحکام کے ساتھ علمی مقابلہ کا اہتمام بذات خود ایک ایسا اہم اور عظیم درس ہے جو سردست ہمارے معاشرہ کے محققین ودانشوروں کو بھی باہمی علمی تعاون کی دعوت دیتا ہے تاکہ علم ودانش کی ترقی میں روز بروز اضافہ ہوتا رہے۔

محمود محمدی عراقی